بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

مسلک خدا پرستی کی عظیم ظاہری علامت اور توحید کا دارالمرکز اور ملتِ اسلامیہ کے دائرہ کا نقطۂ وسطی ہونے کے لحاظ سے اس کرۂ خاکی پر جو مقام کعبۃ اللہ مبارکہ، مسجد بیت اللہ شریف اور حرمِ مکیہ کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری عمارت، ادارے، معبد یا شہر کو حاصل نہیں ہے ـــ دوسرے تمام مبارک اور مقدس مقامات کا اپنا اپنا درجہ اور مرتبہ ہے۔

عقیدہ و شعور کے بعد جو ظاہری چیزیں ہم مسلمانوں کے ایمان و عرفان کو جلا دینی اور ہمارے رشتۂ وحدت کو مستحکم کرتی ہیں، وہ قرآن کریم، حرمِ مکہ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ اور مسجد تین چیزیں ہیں۔ یہ تین چیزیں تجلیاتِ الٰہیہ کو پردۂ مادیت پر منعکس کرتی ہیں۔ ان کی عزت ان کی سربلندی، ان کے امن اور ان کی آبادی و رونق پر ہماری سربلندی، ہمارے امن، ہماری آبادی و بقا اور ہمارے رشتۂ وحدت و اتحاد کا انحصار ہے۔

ان تینوں مقدس مظاہر کے اعزاز و اکرام کے خاص احکام ہیں۔

اس وقت ہم کعبۃ اللہ اور حرمِ مکہ کے حق تعظیم پر گفتگو کر رہے ہیں۔

حرم مکہ یا بیت اللہ کے متعلق قرآن میں یہ نہایت جامع امتناعی ہدایت دی گئی ہے:

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (الحج - ۲۵)	اس (مسجدِ حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا، اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے (ترجمہ از تفہیم القرآن)

راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرنے کا مفہوم بھی ہم تفہیم القرآن ہی کے تفسیری حاشیے سے پیش کرتے ہیں:-

"اس سے ہر وہ فعل مراد ہے جو راستی سے ہٹا ہوا اور ظلم کی تعریف میں آتا ہو، نہ کہ کوئی خاص فعل۔ ان عام گناہوں کے علاوہ حرم کی حرمت کے متعلق جو خاص احکام ہیں اُن کی خلاف ورزی بدرجۂ اولیٰ اس تعریف میں آتی ہے۔

حرم کے باہر جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو، اور پھر وہ حرم میں پناہ لے لے، تو جب تک وہ وہاں رہے اُس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا...... حضرت عمرؓ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال معتبر روایات میں آتے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ کے قاتل کو بھی وہاں پائیں تو اُسے ہاتھ نہ لگائیں۔ اسی لیے جمہور تابعین اور حنفیہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ حرم کے باہر کیے ہوئے جرم کا قصاص حرم میں نہیں لیا جائے گا[1] وہاں جنگ اور خونریزی حرام ہے[2]۔

فتح مکہ کے دوسرے روز جو خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ لوگو! اللہ نے مکہ کو ابتدائے آفرینش سے حرام کیا ہے، اور یہ قیامت تک کے لیے اللہ کی حرمت سے حرام ہے۔ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں ہے کہ یہاں کوئی خون بہائے۔ پھر فرمایا کہ: اگر میری اس جنگ کو دلیل بنا کر کوئی شخص اپنے لیے یہاں خونریزی کو جائز ٹھہرائے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے لیے اس کو جائز کیا تھا نہ کہ تمہارے لیے؛ اور میرے لیے بھی یہ صرف

---

[1] قصاص ہی نہیں، راقم ناچیز کی دانست میں اُسے گرفتار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حرم سے باہر نکلنے پر اُسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مسجد بیت اللہ ہر اس شخص کے لیے جائے امن ہے جو اس میں داخل ہو (ف ص)

[2] ماسوا اس کے کہ کوئی گمراہ فریق حرم میں مسلح ہو کر خونریزی کرنے کے لیے جائے یا مورچہ بندی کر کے حملے کا آغاز کر دے۔ (ف ص)

ایک دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا، پھر آج اس کی حرمت اسی طرح قائم ہو گئی، جیسی کل تھی" (حاشیہ نمبر ۴۴۔ سورۂ حج)

مزید یہ کہ احادیث کی روشنی میں بہ مطابق تحریر بہ صاحب تفہیم القرآن چند اور چیزیں ممنوع ہیں:

"وہاں کے قدرتی درختوں کو نہیں کاٹا جا سکتا۔ نہ خودرو گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے۔ نہ پرندوں اور دوسرے جانوروں کا شکار کیا جا سکتا ہے، اور نہ شکار کی غرض سے وہاں کے جانور کو بھگایا جا سکتا ہے تاکہ حرم کے باہر اس کا شکار کیا جائے۔ اس سے صرف سانپ بچھو اور دوسرے موذی جانور مستثنیٰ ہیں (اور اُن کو تو عین حالتِ نماز میں بھی مارا جا سکتا ہے۔ (ان رصی) اور خودرو گھاس سے اذخر اور خشک گھاس مستثنیٰ کی گئی ہے۔

وہاں کی گری پڑی چیز اُٹھانا ممنوع ہے .... وہاں جو شخص بھی حج یا عمرے کی نیت سے آئے وہ احرام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔" (حاشیہ ۴۴۔ سورۂ حج)

اسی آیت پر ابن کثیر میں مختلف روایات سے استفادہ کرتے ہوئے مزید کئی باتیں مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ اصولی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کسی شخص کا معاصی کبیرہ میں سے کسی بیہودہ حرکت کا عزم کرنا یعنی اس غرض کے لیے عمد و قصد کا پایا جانا یا بروایت ابن عباس تعمّد کا ہونا، کیونکہ آیت میں "من یرد" کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس کسی نے ارادہ کر لیا۔ یہ ارادہ و عمد جس طرح کے افعال کے لیے باعثِ عذابِ الیم ہے، ان میں سے مثلاً ایک بروایت ابن عباس شرک یا بالفاظ مجاہد غیر اللہ کی عبادت ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباسؓ ہی کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ظلم سے یہاں مراد حرم کو برائی اور قتل کے لیے حلال کرنا ہے۔ مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ حرم میں کسی ناپسندیدہ عمل کا ارتکاب ظلم ہے اور یہ کچھ حرم کی خصوصیت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے حدود میں ظلم کا آغاز کرنے چلے تو وہ گرفت میں آجاتا ہے محض برائی کا عزم و عمد کار فرما ہونا کافی ہے، خواہ وہ اُسے جامۂ عمل نہ پہنا سکے۔ ابن مسعودؓ ایسے آدمی کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔ حرم میں کسی شخص کے محض قتل کی رغبت کرنا بھی تعریفِ ظلم میں داخل ہے۔ سعید بن جبیرؓ تو یہاں تک جاتے ہیں کہ اپنے خادم کو ملامت یا زجر و توبیخ کرنا بھی ظلم میں داخل ہے۔ حبیب ابن ابی ثابت کے الفاظ میں مکہ میں احتکار کرنے والا ظالم

کی تعریف میں داخل ہے۔ یعلیٰ بن امیہ نے تو رسولؐ خدا سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں طعام (غذائی سامان) کا احتکار کرنا الحاد (کی تعریف میں داخل) ہے۔ ایک شخص اسلام سے مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ اور حرم میں جا پناہ لی۔ بعض نے اس واقعہ کو متذکرہ آیت کا شان نزول قرار دیا۔ یعنی اسلام سے فرار کرنے والے کی حیثیت تو من یرد فیہ بالحاد بظلم سے مطابقت رکھتی ہے۔ حرم مخالفین و مرتدین اسلام کے لیے پناہ گاہ نہیں جو الحاد و ظلم کے راستے پر پڑ چکے۔ ابن کثیر بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ جتنی مثالیں مذکور ہوئیں، اُن سے آیت زیر نظر زیادہ وسیع الاطلاق ہے[1]۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے بعض بنیادی جرائم کا ذکر کیا جو حرم میں زیادہ بڑے گناہ کا باعث ہوتے ہیں اور الحاد و ظلم کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً البیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ وضاحت بواسطۂ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ "لا تشرک بی شیئا" یعنی میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (الحج-۲۶) وَطَهِّرْ بَيْتِيَ ...... (یعنی میرے گھر کو (شرک، گناہ اور ظاہری غلاظتوں سے) پاک کر کے رکھو۔ (الحج-۲۶) اس کے بعد اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" یعنی لوگوں کو حج کے لیے دعوتِ عام دو ــــ شرک اور گندگی سے حرم کو پاک رکھنے کی ہدایت کے بعد تیسرا حکم یہ بتایا ہے کہ عام لوگوں کو دعوت حج دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے حج بیت اللہ میں کوئی روک ٹوک نہ ہو، اُن کو امن حاصل ہو، اور ملکوں اور نسلوں اور مالی حالات کے لحاظ سے اُن میں کوئی تمیز و تفریق نہ کی جائے۔ پھر آگے جا کر یہ فرمایا کہ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ یعنی جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر ہے۔ (الحج-۳۰) دوسرے لفظوں میں اگر کوئی شخص

---

[1] مفسرین کے ہاں ایک اور بحث بھی اسی مسئلے کے متعلق یہ ملتی ہے کہ اہل مکہ کو حاجیوں کے لیے گھروں کے دروازے کھول دینے چاہییں اور ان سے کرایہ وصول نہیں کرنا چاہیے اور نہ قیمت طعام لی جانی چاہیے ورنہ ظلم ہوگا۔ اس سلسلے میں محدثین و فقہا نے بحثیں کر کے اس انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کی کمزوری واضح کر دی ہے۔ یہاں تذکرہ غیر ضروری ہے (ن رص)

خدائی حرمات کی تعظیم نہیں کرتا یا اُن کا درجہ گھٹاتا یا اُن کو پامال کرتا ہے تو وہ الحاد وظلم کا مجرم ہے اور خدائی حرمات میں حرم کی حرمت کے بعد، انسانی جان، مال اور آبرو کی حرمت انتہائی اہم ہے جیسا کہ قرآن کی تشریح میں خطبۂ حج الوداع میں حضورؐ نے شدید تاکید کی۔ پھر آگے چل کر حکم امتناعی ہے کہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ یعنی "بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو"۔ (الحج-۳۰) مزید یہ بات چاہی گئی ہے کہ حرم کے حاجیوں اور عبادت گذاروں کو حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ کی کیفیت میں ہونا چاہیے۔ یعنی پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کے بندے) ہو کے عبادت کریں اور شرک نہ کریں۔ (الحج-۳۱) یہ صریح طور پر قرآنی ممنوعات ہیں۔

واضح رہے کہ یہ تمام چیزیں ویسے بھی شرعاً ممنوع ہیں، مگر بیت اللہ شریف یا جوارِ حرم میں ان کا ارتکاب بہت زیادہ بڑا جرم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ گھر اپنی نور افروز تاریخ اور بابرکت فضاؤں کی وجہ سے قلب ونظر کے لیے ایک تربیتی مرکز ہے۔ اگر اس مرکز کو بگاڑ دیا جائے تو پھر وہ بات ہوتی کہ "چو کفر از کعبہ برخیزد!"

اسی سورۂ حج میں جہاں بڑا اہم مطالبہ تعظیم حرم کا ہے وہاں اسی کے ساتھ تعظیم حُرمات اللہ کی تاکید کی گئی ہے۔ پھر دوسری جگہ تعظیم شعائر اللہ کا حکم ہے۔ دراصل شعائر اللہ ہی سے دین کا سارا تانا بانا بنتا ہے۔ نومولود کے کان میں اذان کہنے سے لے کر کفن دفن تک، اور وضو اور ڈاڑھی سے لے کر طواف اور قربانی تک جابجا شعائر اللہ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اگر شعائر اللہ کی حرمت وتعظیم قائم رہے تو دین قائم رہتا ہے، اگر یہ چیز ضائع ہو جائے تو دین کو بچایا نہیں جاسکتا۔ شعائر اللہ کا تمسخر اڑانا، شعائر اللہ کو بے وقعت سمجھنا اور شعائر اللہ کو ترک کرنا یا اُن پر کسی دوسرے طور طریق کو ترجیح دینا تقاضائے دین کے خلاف ہے۔ آیات اللہ اور حدود اللہ کے بعد شعائر اللہ کی بے حد اہمیت ہے۔ یہ اسلامی معاشرت وتہذیب کے ایسے مظاہر ہیں جن کے ذریعے ہمارے عقائد وتصورات محسوس شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔ متعلقہ ایمان افروز آیت ملاحظہ ہو:-

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ
(الحج: ۳۲)

اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔
(ترجمہ از تفہیم القرآن)

اب ذرا وہ جامع تفسیری حاشیہ ملاحظہ ہو، جو صاحب تفہیم القرآن نے شعائر اللہ کی حقیقت واضح کرنے کے لیے لگایا ہے:-

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرزِ فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو، وہ اس کا شعار کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکّے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں، اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہے۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔ ..... شعائر اللہ سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں، مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطیکہ اُن کا نفسیاتی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو، کسی مشرکانہ یا کافرانہ تخیل کی آلودگی سے انہیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدائے واحد کی بندگی و عبادت کا کوئی جزء رکھتا ہے تو اُس جزء کی حد تک مسلمان اس سے موافقت کریں گے اور ان

شعائر کا بھی احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہو۔ اِس چیز میں ہمارے اور اس کے درمیان نزاع نہیں بلکہ موافقت ہے۔ نزاع اگر ہے تو اس امر میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے، بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے[1]۔

...... احرام بھی من جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔ اسی لیے شعائر اللہ ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ جب تک تم احرام بند ہو، شکار کرنا خدا پرستی کے شعائر میں سے ایک شعار کی توہین کرنا ہے۔ البتہ جب شرعی قاعدہ کے مطابق احرام کی حد ختم ہو جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے[2]۔

حرم، بیت اللہ اور شعائر اللہ کی حرمت و تعظیم کے سلسلے میں احکامِ قرآنی آپ کے سامنے آگئے۔ اب اگر آپ سورۃ الحج کی آیت ۲۵ کو غور سے ملاحظہ کریں جس میں حرم اور بیت اللہ میں الحاد و ظلم کا رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے عذاب الیم کی وعید آئی ہے، تو اندازہ ہوگا کہ یہ آیت قرآن کی اُن چند سخت ترین آیات میں سے ہے جو خوف سے لرزا دینے اور کپکپا دینے والی ہیں۔

---

(۲)

تاریخی طور پر عظمتِ حرم کو مجروح کرنے کے لیے جو اقدامات ہوئے، اُن میں سے سب سے پہلا، بڑا اور مشہور واقعہ اصحاب فیل کا ہے۔

۵۲۵ء میں قسطنطنیہ کی رومی حکومت کی پشت پناہی سے حبش کی حکومت یمن میں قائم ہو گئی۔ حملۂ اصحابِ فیل کے وقت ابرہہ یمن میں حکومت حبش کا نائب السلطنت تھا۔ یہ شخص حکومت حبش کی برائے نام بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے آہستہ آہستہ علاقہ یمن کے پورے حاکمانہ اختیارات پر قابض ہو گیا۔ اُس نے یمن کے دارالحکومت صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا نام عرب مؤرخین نے (باقی بر صفحہ ۴۰)

---

[1] تفہیم القرآن، سورۂ مائدہ، حاشیہ ۵ [2] ایضاً حاشیہ ۶

(بقیہ اشارات) اُنکلسُ یا اُنفلُسُ یا اُنفلیسُ لکھا ہے۔ رومی حکومت نے حکومت حبش کو یمن پر حملہ کر کے قابض ہونے کے لئے جس مقصد سے مدد دی تھی۔ وہ یہ تھا کہ مکہ کے بیت اللہ شریف کو (نعوذ باللہ) ڈھا دیا جائے۔ ابرہہ نے اس مقصد سے مکہ پہ چڑھائی کرنے کا اعلان عام کر دیا۔ کسی عرب نے اعلان سے مشتعل ہو کر صنعاء کے کلیسا میں رفع حاجت کر ڈالی۔ ایک تاریخی روایت یہ بھی ہے کہ بعض عرب نوجوانوں نے مشتعل ہو کر کلیسا میں آگ لگا دی۔ مکے پہ چڑھائی کا اعلان عربوں کے لئے اتنا اشتعال انگیز تھا کہ ایسی کوئی بھی حرکت ہونا بعید نہیں تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خود ابرہہ ہی نے ایسی ڈرامائی حرکات کرا دی ہوں جو کعبہ کے خلاف عیسائیوں میں حملہ کرنے کے جذبات ابھارنے کا سبب بن سکیں چنانچہ ابرہہ نے قسم کھا کر اعلان کیا کہ کلیسا کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے اب میں ضرور کعبہ کو ڈھاؤں گا۔

یہ بدبخت ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۳ یا ۹ ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، اس کے بعد جو ہوا وہ ہوا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ فیل میں ہے۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ محرم میں ہوا اور حضورؐ کی ولادت ربیع الاوّل میں ہوئی۔ اکثریت کی رائے میں حضورؐ کی ولادت اصحاب فیل کے ۵۰ دن بعد ہوئی۔

توہین حرم کا دوسرا واقعہ زمانۂ ہدنہ میں پیش آیا۔

۶ھ میں حدیبیہ کے مقام میں مسلم جماعت اور قریش کے درمیان معاہدے کی جو شرائط حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے دستخطوں سے طے ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جو گروہ یا قبائل حضورؐ کا ساتھ دینا چاہیں یا جو قریش سے رابطہ رکھنا چاہیں۔ دونوں کو آزادی ہوگی اور ان کو امان حاصل رہے گی۔

مگر معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ قریش کے ایک حلیف بنو بکر نے بنو خزاعہ پہ حملہ کر دیا۔ قریش نے بنو بکر کو اسلحہ کی امداد دی۔ چند قریشی سردار عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو (جس نے معاہدہ پہ دستخط کئے تھے) اور صفوان بن امیہ نقاب پوش ہو کر اپنے حوالی موالی کے ساتھ اس کارروائی میں شریک ہوئے۔

پایانِ مکہ کی جانب ایک چشمہ وتیر نامی تھا۔ اس کے پاس بنو خزاعہ آباد تھے۔ حملہ آوروں نے وہاں پہنچ کر رات کو حملہ کیا جبکہ قبیلے کے لوگ سو رہے تھے۔ انہوں نے معاہدے کا حوالہ دیا۔ امان مانگی مگر سب بے کار، بہتوں کو رکوع و سجدہ کی حالت ہی میں قتل کر دیا گیا۔ بچی کھچی تعداد نے بھاگ کر خانۂ کعبہ میں پناہ لی۔ مگر وہاں بھی حملہ آور ٹوٹ پڑے۔ مظلوم خزاعیوں نے جب حرم کی حرمت کا واسطہ دلایا۔ اور حملہ آوروں کو اپنے خداوندوں کا خیال کرنے کی اپیل کی تو جواب ملا کہ آج کے دن کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اس حملے سے جو چالیس افراد بچ نکلے۔ وہ وفد کی صورت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ وہاں جا کر داستان سنائی۔ عمرو بن سالم الخزاعی نے شاعری کی زبان میں فریاد کی۔ ترجمہ:۔

قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔
انہوں نے اس مضبوط معاہدے کو، جو آپ سے کیا تھا توڑ ڈالا۔
وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آئے گا۔
وہ تو ذلیل ہیں اور قلیل ہیں۔
انہوں نے وتیر میں ہم کو سوتے ہوئے جا لیا۔
ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں کاٹ ڈالا۔
کیا دردناک مصرعہ ہے: فقتلونا رُکّعاً وَّسُجّداً۔

اب سنیے حضورؐ کا مختصر جواب: نُصِرْتَ یَا عَمْرُو بْنَ سَالِم یعنی اے عمرو بن سالم جاؤ تمہیں مدد پہنچے گی۔[1]

۸ھ میں فتح مکہ کی مہم سر ہو گئی اور عمرو بن سالم کے دشمن اسلام کے آگے مفتوح ہو گئے۔ توہین حرم کا متذکرہ واقعہ کے بعد پھر حضورؐ نے بیت اللہ اور حرم مکہ کی حرمت کو نہایت مضبوطی سے قائم کر دیا۔

اب ذرا خود مسلمانوں کی طرف سے توہینِ حرم کے اقدامات ملاحظہ ہوں۔

---

[1] ان تفصیلات کے لئے میرے سامنے سیرۃ ابن ہشام ج ۴ اور رحمۃ للعالمین ج ۱، ہیں۔

امیر معاویہ نے عمر کے ۸۰ ویں سال میں موت کی گھڑی قریب آنے پر یزید کے نام وصیت نامہ لکھوایا جو اس موقع پر دمشق میں موجود نہ تھا۔ طبری اور الفخری سے اس وصیت کو شاہ معین الدین احمد ندوی نے دارالمصنفین کی شائع کردہ تاریخ اسلام کی جلد دوم میں ص ۲۵ پر درج کیا ہے، اس کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

"جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے...... سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے۔ اس میں حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بغیر کوئی حریف نہیں ہے......... عبداللہ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں......... عبدالرحمن بن ابی بکر میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں......... البتہ حسین ابن علی کی جانب سے خطرہ ہے........ جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا....... البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کا دے دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ ابن زبیر ہیں اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا، ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے اڑا دینا۔"

یزید بن معاویہ نے تخت نشینی کے ساتھ ہی متذکرہ لوگوں سے بیعت لینے کے لئے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو تاکیدی حکم بھیجا۔ ولید نے موخر الذکر دونوں "خطرناک" ہستیوں سے بیعت لینے کی فکر کی۔ واقعہ یوں ہوا:۔

"چنانچہ ولید نے حضرت امام حسینؓ اور ابن زبیرؓ کو بلا بھیجا .... اس نے امیر معاویہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا حکم سنایا۔ حضرت امام حسینؓ نے اناللہ پڑھی اور امیر کے لئے دعائے خیر کی۔ پھر فرمایا: میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا .... جب عام لوگوں کو بیعت کے لئے بلاؤ گے اس وقت میں بھی آجاؤں گا......... آپ لوٹ گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ نکل گئے۔ ولید کو خبر ہوئی تو اس نے آدمی دوڑائے لیکن ابن زبیر دور جا

چکے تھے۔ مکہ پہنچ کر وہ حرم میں پناہ گزین ہو گئے" لہ

بعد میں نعمان بن بشیر نے مکہ جاکر ابن زبیر کو یزید کا یہ پیغام پہنچایا کہ میں امن و عافیت چاہتا ہوں اسں لئے تم طاعت و جماعت سے الگ ہو کر اختلاف نہ پیدا کرو۔ یہ پیغام سن کر ابن زبیرؓ نے نعمان بن بشیر کے ایک اور ساتھی ابنِ عصاۃ سے پوچھا کہ کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کروگے؟ اس نے جواب دیا۔ اگر تم بیعت نہ کروگے تو میں اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

بعد کا واقعہ ہے کہ اہلِ حجاز نے ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور مدینہ سے تمام اموی عمال کو نکال دیا گیا۔ نتیجۃً حکومت کا اقدام واقعۂ حرہ جیسے منحوس حادثے پر منتج ہوا اور حرم مدینہ کی آخری حدوں تک توہین کی گئی۔

مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ ابنِ زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے مکہ روانہ ہو گیا۔ وہ عرصہ سے بیمار تھا۔ مکہ پہنچنے سے پہلے اسں کی اجل آگئی۔ اس کا جانشین حصین بن نمیر محرم ۶۴ھ میں مکہ میں پہنچا۔ ابن زبیرؓ حرم میں پناہ گزین تھے۔ حصین نے محاصرہ کیا اور سنگ باری شروع کر دی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیر حرم کے اندر سے مدافعت کرتے رہے۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا آخری وقت آگیا۔

حرم مکہ کے خلاف یہ پہلا اقدامِ توہین تھا جو ملت اسلامیہ کے اپنے ہی وابستگان کی طرف سے عمل میں آیا۔ اس اقدام پر بھی قدرت نے دو نشان دکھا دئے کہ ایک تو مسلم بن عقبہ کھیت رہا۔ دوسرے یزید چل بسا جس نے سارا کھیل رچایا تھا۔ بات یہاں ختم نہیں ہو گئی۔ ابھی توہین حرم کی اس داستان کی تکمیل باقی ہے۔ آگے کی بات بیان کرنے سے پہلے ایک وضاحت اشد ضروری ہے۔

حضرت امام حسینؓ کا جو نام اور مقام ہے، اس کے لحاظ سے بچہ بچہ جانتا ہے کہ اس شہید کربلا نے کیا کارنامہ سر انجام دیا۔ مگر جس مقصد کے لئے امام حسینؓ نکلے تھے، وہی عبداللہ بن زبیرؓ کا بھی تھا۔ وہ بھی شہید ہوئے اور یہ بھی شہید ہوئے۔ اسی مقصد کے لئے محمد بن حنیفہ نے بھی حرکت کا آغاز کیا۔ یہ مختلف ہستیاں ذاتی اقتدار اور منفعت کے لئے سرگرم عمل نہ تھیں بلکہ ان سب کا منشا یہ تھا

لہ : تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی ج ۲۔ ص ۴۴

کہ خلافت راشدہ نے جس نظامِ اسلامی کو حضور خاتم النبیینؐ کے بعد برقرار رکھا اسے بادشاہت میں تبدیل کرنے کے اس تاریخی عمل کو ناکام کیا جائے جو پورے زور سے شروع ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کوئی معمولی ہستی نہیں۔ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہجرت کے بعد بہت دنوں تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ یہ اُن کے سحر کا نتیجہ ہے۔ [ا] خدا نے یہودیوں کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے جس پہلی روح کو بھیجا وہ عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ مسلمانوں نے ان کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی۔

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھپھیرے بھائی اور حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن العوام کے صاحبزادے تھے ان کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ سات آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے حضورؐ کے دستِ سعادت پر بیعت کی۔ بچپن سے بڑے شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ شروع ہی سے بڑائی کے آثار ان میں نمایاں تھے۔ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے۔ طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ [۲]

نظامِ اسلام کو مسخ کر کے عجمی بادشاہت اور رنگین ثقافت کے سانچے میں ڈھالنے کی مساعی کے خلاف جب عبداللہ بن زبیر اٹھے تو حجاز والوں کے علاوہ عراق، مصر اور شام میں بھی بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور بعض مقامات پر ان کے مامور کردہ عامل کام کرنے لگے۔

تاریخی داستان تو خاصی لمبی ہے مگر ہم دیگر تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے موضوع کے تقاضوں کی طرف

[ا]۔ جادوگر حقیقی ہوں یا غیر حقیقی دونوں صورتوں میں وہ اپنے حریف یا معتوب کو نفسیاتی ضربیں لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جو کوئی نفسیاتی مار کھا گیا وہ جادو کا شکار ہوا۔ اور جو بچ نکلا سو بچ نکلا۔ یہاں کوئی باقاعدہ سلسلۂ علت و معلول تو ہوتا نہیں۔ تیر تکے چلتے ہیں۔ سو گاہ باشد کہ کودکے ناداں، بہ غلط بر ہدف زند تیرے۔ جادوگروں کی مارکیٹ بھی اسی طرح بنتی ہے کہ مشکلات میں مصائب کے لمحوں سے دوچار لوگ جب مادی اور طبعی تدبیروں سے مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ سے خصوصی استمداد کی جگہ جادوگروں اور نجومیوں اور فال گیروں کا شکار ہو جاتے ہیں یہودیوں نے مسلمانوں پر اپنے سحر کا نفسیاتی سکہ چلانا چاہا مگر ان پکے خدا پرستوں پر نہ چل سکا۔ (ن۔ص)

[۲]:۔ تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ج۔۲۔ ص:۔ ۶۷

آتے ہیں۔

مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے قبضہ کے بعد ابن زبیر کی مالی حالت اور فوجی قوت کمزور ہوگئی۔ اس لئے عبدالملک (۶۵ھ تا ۸۶ھ) کے لئے آسان ہوگیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کو زیر کریں۔

۷۲ھ میں عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ حرم مکہ میں پناہ گزیں تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی، کئی مہینہ تک مسلسل محاصرہ قائم رہا۔ بڑی شدت سے سنگ باری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیرؓ بڑی شجاعت سے لڑتے رہے لیکن ان کی مدد کے تمام راستے بند تھے۔ سامانِ رسد ختم ہوگیا۔ پورے مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ ان حالات میں ابن زبیرؓ کے دس ہزار آدمی حجاج سے جا ملے۔ آخر میں جناب ابن زبیرؓ کے لڑکوں نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

عبدالملک جناب ابنِ زبیرؓ کے ساتھ رعایت برتنے کے لئے تیار تھا۔ جب مقابلہ جاری رکھنا بالکل ممکن نہ رہا تو عبداللہ بن زبیرؓ اپنی والدہ کے پاس تشریف لے گئے۔ عرض کی کہ تمام ساتھی الگ ہوگئے، میرے لڑکے بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ جو چند جاں نثار باقی ہیں ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں۔ دشمن رعایت کرنے کو تیار ہے۔ آپ کیا فرماتی ہیں؟

اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے ایک مسلم ماں کی حیثیت میں جو جواب دیا وہ بڑا زندگی افروز ہے فرمایا۔

"بیٹا! تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا، اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لئے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لئے جان دی ہے اور اگر دنیا طلبی کے لئے لڑتے ہو تو تم سے بُرا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اور اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہوگئے ہو تو یاد رکھو، شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا، دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ یہ سن کر ابنِ زبیرؓ نے کہا: اماں! مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مُثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔ بہادر ماں نے جواب دیا! ذبح ہو جانے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام

پورا کردے۔ لہ

والدہ سے رخصت ہو کر وہ سیدھے رزمگاہ پہنچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے۔ حملہ آور اُن سے لڑتے لڑتے حرم کے پھاٹک تک ان کو دھکیل کے لے گئے، یہاں تک کہ مجاہدِ حق نے شہادت پائی۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔

عباسی حکومت کے دورِ انحطاط میں ابوطاہر بن ابوسعید نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور ہجر، احسا، قطیف طائف اور بحرین پر حکومت جمائی۔ اُس نے بصرہ کو تباہ کیا۔ پھر خود دارالسلام پر حملہ آور ہوا۔ ۳۱۲ھ میں حاجیوں کو لوٹنے کا سلسلہ شروع کیا جن میں سے بہت سے شہید ہوئے۔ عباسی حکومت نے کئی بار کارروائیاں کیں مگر ناکامی ہوئی۔ عباسی خلافت کی طرف سے ابن قیس کو سپہ سالار بنا کر ابوطاہر کے خلاف فوج کشی کے لیے بھیجا گیا۔ مگر شکست کھائی۔ اس موقع پر ابوطاہر کو پہلی بار ہزیمت اُٹھانی پڑی۔

ابوطاہر نے ہجر کو دارالحکومت بنایا۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کی جسے دارالہجرت کے نام سے موسوم کیا۔ اس نے چاہا کہ لوگ کعبہ کو چھوڑ کر دارالہجرت کا حج کریں۔ اس غرض کے لیے حجر اسود کو اکھیڑ لانے کی اسکیم بنائی۔ اور ۳۱۹ھ کو مکہ کی طرف کوچ کیا۔ یوم ترویہ کو مکہ پہنچا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر برہنہ تلوار لیے مسجد حرام میں داخل ہوا۔ یہاں شراب نوشی کی۔ ایک ہزار سات سو حاجیوں کو شہید کیا۔ کعبہ معلّٰی کا دروازہ اکھڑوا دیا۔ امیر مکہ شرفاء کو ساتھ لے کر نصیحت و سفارش کے لیے آیا۔ اُسے بھی قتل کرا دیا۔

۳۱۷ھ میں ابوطاہر حجر اسود خانہ کعبہ سے اکھیڑ کر لے گیا۔ اُس کے ظلم کی وجہ سے دس سال تک حج منقطع رہا۔ مگر حاجیوں کو دارالہجرت میں لانے میں اُسے بالکل ناکامی ہوئی۔ تب مکہ کے حاجیوں پر ٹیکس لگا دیا۔

خلیفۂ وقت مقتدر باللہ نے ۵۰ ہزار درہم حجر اسود حاصل کرنے کے لیے پیش کیے۔ ابوطاہر نہ مانا۔ بعد میں خلیفہ مطیع اللہ سے تیس ہزار دینار لے کر حجر اسود واپس کیا۔ ۱۰ محرم ۳۳۹ھ کو حجر اسود مکہ واپس پہنچا اور شبیر بن حسین قرمطی نے اُسے اصلی جگہ پر نصب کر دیا۔

ابوطاہر چیچک میں مبتلا ہو کر فوت ہوا۔

(باقی بر صفحہ ۴۸)

لہ۔ بحوالہ تاریخ مذکور۔ ج۔ ۲۔ ص۔ ۸۸۔ ۸۹

ہیں کہ مولینا کی میزبانی، ہم سفری یا جیل میں اُن کی رفاقت، یا اُن کے علاج معالجے یا کسی ہسپتال میں اُن کی تیمارداری، یا جلسوں اور علماء یا سیاسی لیڈروں کی مشترک مجالس میں اُن کی شرکت کی صورتوں میں پیش آئے ہیں۔

ھماری دلی تمنا ھے کہ :-

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ اپنا رسالہ جس کو ۱۹۳۲ء میں انہوں نے احیائے اسلام کی تحریک برپا کرنے کا ذریعہ بنایا، جس رسالے نے ہزاروں زندگیوں کے نقشے بدل دیئے اور جس کے ساتھ آخر دم تک اُن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا، سید مودودی مغفور کا سب سے بڑھ کر اس پہ حق آتا ہے کہ وہ مغفور کا شایانِ شان یادگاری نمبر پیش کرے۔

اِدارہ کے تمام کارکنان یہ کام بہ نیت ثواب کریں گے، اور جو کوئی جس درجے میں بھی اپنا حصہ اس میں ادا کرے گا، عنداللہ اجر حاصل کرے گا۔

(ادارہ ترجمان القرآن)

(بقیہ اشارات صفحہ ۴۶)

اور اب آخری مرتبہ توہین حرم کا ایک افسوسناک واقعہ .... عین یکم محرم ۱۳۹۹ھ کو سامنے آیا حالانکہ یہ دن سال کے آغاز کا دن بھی تھا اور اس دن سے وہ دو سالہ دور شروع ہو رہا تھا جس سے پندرھویں صدی کی آمد کی خوشی منائی جانی تھی اور آئندہ کے لئے ملتِ اسلامیہ کو اتحاد و اقدام کے عزائم استوار کرنے تھے اس واقعہ نے ہمارے اس دورِ مبارک کی گویا صبح کو داغدار کر دیا۔

سیاسی نزاعات، فرقوں کے منافشات اور قبیلوں یا نسلوں اور قوموں کی عصبیتوں سے حدودِ حرم کو پاک رہنا چاہیئے۔

خاتمہ گفتگو اس بات پہ کرتا ہوں کہ حالیہ حادثہ توہینِ حرم کے بہت سے پہلو قابلِ غور ہیں محض توہینِ حرم کی جذباتی فضا کے گہرے میں قابلِ توجہ حقائق کو نہیں چھپانا چاہیئے۔ بہت سی اصطلاحات اور تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

ہو سکا تو اشاعتِ آئندہ میں چند خیر خواہانہ نکات عرض کیے جائیں گے۔